POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 September 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 16-09-2026 • Price: 5/- • 22-28 September 2026 • Issue: 36 • Vol:85

۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۲۶ء • شمارہ:۳۶ • جلد:۸۵

مستقبل کا ہندستان اور سرسیّد احمد خاں

عارف عزیز

سرسیّد احمد خاں پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، اُن کی مقبولیت اور اہمیت کی وجہ اُن کا وہ تعلیمی کارنامہ ہے جس نے بیسویں صدی کے ہندستان پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، وہ ایک روشن دماغ اور کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے، جس نے کارنامے انجام دیے اور جس سے کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔ سرسیّد کی فکر ونظر کے بعض گوشوں سے کم یا زیادہ اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی، آج بھی ہے کیوں کہ انبیاے کرام کے سوا دنیا میں کوئی فرد و بشر ایسا نہیں جس کے قول وفعل سے اختلاف کا جواز نہ نکلتا ہو لیکن یہ اختلاف اصلاح پر مبنی ہونا چاہیے، دشنام طرازی پر نہیں۔ سرسیّد کے بارے میں اُن کے معترضین سے زیادتی یہ ہوئی کہ انھوں نے اوّل سرسیّد کے دور اور اُس کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اگر اِسے پیشِ نظر رکھتے تو شدید تنقید یا بدگمانی کی نوبت نہیں آتی یا سرسیّد نے باقاعدہ عالم نہ ہونے کے باوجود دین کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا اُس کا مقصد بہتر طریقے پر پورا ہوتا اور مفید نتائج برآمد ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ افراط وتفریط کا مظاہرہ دونوں طرف سے ہوا، جہاں تک سرسیّد کے جذبے اور تمنا کا سوال ہے تو وہ چاہتے تھے کہ اسلام کی حقانیت مسلمانوں پر ہی نہیں، ساری دنیا پر واضح ہو۔ اُن کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری وپستی کی بنیاد مذہب سے ناواقفیت، جہالت، اوہام پرستی اور جدید علوم وفنون سے بے رغبتی میں پیوست ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز فاتح اور حاکم ہیں۔ اِس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ انگریز ایک ترقی یافتہ قوم ہے لہٰذا اُن کا علوم وفنون، اُن سے سیکھ کر ہی اُن کا مقابلہ ہوسکتا ہے، جب تک مسلمان عصری علوم اور جدید فنون سے آراستہ نہیں ہوں گے ایک بالادست قوم سے مقابلہ میں انھیں پسپائی کا سامنا کرتے رہنا ہوگا۔ سرسیّد کے نقطۂ نظر سے مذہب اِس میں رکاوٹ نہیں بلکہ معاون ہے، جیسا کہ ہم ابتدا سے دیکھتے آرہے ہیں کہ متداول علوم سیکھ کر ہی مسلمانوں نے اپنے دینی رجحان کو فروغ دیا اور مستحکم کیا ہے۔ اُن کا اصرار تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اِسی لیے بنایا کہ اُس کے پاس عقل کی دولت اور سوچنے وسمجھنے کی صلاحیت ہے۔ اسلام کی جملہ تعلیمات کی بنیاد قرآن پر ہے اور قرآن جگہ جگہ تعقّل، تدبّر، تفہیم اور تعلیم پر زور دیتا ہے۔ صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں عقل انسانی کو بار بار مہمیز لگائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ تاکید کی گئی ہے کہ ہر بات سوچ سمجھ کر کہی جائے، اِس سیاق وسباق میں سیّد احمد خاں نے اندھی تقلید اور غیر ضروری رسم ورواج کے خلاف آواز اُٹھائی اور مسلم قوم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ توہمات، بے دینی کی علامت ہے اور اسلام مذہب اُن کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

سرسیّد کے یہی خیالات تھے جس نے قوم کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے والوں کو اُن سے برگشتہ کرنے کا موقع فراہم کیا اور اُن کے خلاف صف آرا ہوگئے پھر بھی سرسیّد کے عزم واستقلال میں کمی نہیں آئی بلکہ اُن کی آواز اور بھی بلند ہوگئی اور وہ جی جان سے مسلمانوں کی اصلاح میں مصروف ہوگئے۔ سرسیّد نے مذہب کو جس طرح سمجھا، اُسی انداز میں پیش کیا تھا، اُن کا کہنا تھا کہ مذہب کا کوئی پہلو ڈھکا چھپا نہیں ہے، ہر چیز سمجھ میں آنے والی ہے اُن کی بنیادی فکر یہی تھی کہ لوگ اندھی تقلید سے بچیں، قرآن کی عظمت کو پرکھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے دلوں میں جاگزیں کریں۔ اُنھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو نئے زمانے اور جدید رُجحانات کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔ اُنھوں نے قرآنی آیات کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ اسلام سائنس اور اُس کے ذریعے ترقی کرنے کا مخالف نہیں بلکہ ایک متحرک اور ترقی پسند مذہب ہے۔

سرسیّد نے مذہب کے بارے میں جو کہا یا لکھا، وہ اُس وقت کا تقاضا تھا، وہ اُن حملوں کا جواب تھا جو دشمنانِ اسلام، اسلامی فکر وقوانین پر کر رہے تھے، بالخصوص مشنری یعنی عیسائی مبلغ اِس گھات میں تھے کہ کوئی موقع ملے اور وہ اسلام پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو اُس سے برگشتہ کر دیں۔ اُن کے منادی، اخبارات ورسائل سب کا زور اِس پر تھا کہ اسلام ایک غیر فطری مذہب ہے، اُن کی طرف سے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ، اُن کے اخلاق وعادات کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، سرسیّد کی اسلام کے بارے میں بیشتر توجیحات اِس کے جواب پر ہی مشتمل ہیں۔ ہندستانی مسلمانوں کے مجموعی حالات پر بھی وہ بہت فکرمند تھے اور انگریز حکمرانوں کے سامنے اسلام کو امن وعافیت کا سرچشمہ ثابت کرنا چاہتے تھے تاکہ اُن کی دشمنی میں کمی آئے۔ سرسیّد کے مضامین وتصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب پر اُن کا راسخ عقیدہ تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھوں نے دشمنوں کے اسلام پر لگائے گئے الزامات کا دلائل کے ساتھ جواب دیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سرسیّد کے مفید نظریات کی علما کی طرف سے مخالفت نہیں کی گئی، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے، بلکہ مذہب کے بارے میں اُن کی بعض اُن ابتدائی تعبیرات پر گرفت ہوئی ہے جو قرآن وحدیث سے متصادم تھیں کیوں کہ علماے کرام کا بڑا حلقہ سرسیّد کے اسلام کے تعلق سے نظریات کو شبہے کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اُن کی تعلیمی تحریک کو بھی مذہبی عقائد کی تبلیغ تصور کر کے اُس کا مخالف ہوگیا تھا، بعد میں سرسیّد نے اپنے بیشتر نظریات پر نظرِثانی کی مگر اُس وقت تک کافی دیر ہوگئی تھی۔

اِس تعلق سے ایک اور الزام تراشی یہ ہوئی کہ علما انگریزی تعلیم کے خلاف ہیں، حالاں کہ رسالہ 'تہذیب الاخلاق' یکم ذی الحجہ 1290ھ کے شمارے میں سرسیّد خود تسلیم کرتے اور اِس پر مسرت ظاہر کرتے ہیں کہ ''مولوی صاحب موصوف یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی مسلمانوں کے حق میں علوم وفنونِ جدیدہ کا حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں''۔ 1904 میں شیخ الہند مولانا محمود حسن نے جمعیۃ انصار کمیٹی قائم کی تھی جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اُس کے ذریعے دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کے درمیان تعلقات کو استوار کیا جائے، اِن حوالوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ سرسیّد کی مخالفت میں جو عناصر پیش پیش تھے، اُن کا تعلق علماے دیوبند سے نہیں تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ جو اُس دور میں ہندستان کے ایک نامور عالمِ دین تھے جب اُن سے انگریزی تعلیم کے بارے میں فتویٰ مانگا گیا تو اُن کا جواب تھا۔ انگریز کالج میں جانا اور پڑھنا اور زبان سیکھنا بموجبِ مذہب درست ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے تھی کہ انگریز ایک مفسد قوم ہے، اِس کے باوجود انگریزی اور علومِ جدیدہ کا سیکھنا جائز بلکہ ضروری ہے۔

سرسیّد انگریزی تعلیم انگریزوں کی خوشنودی کے لیے مسلمانوں کو حاصل کرانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اُنھیں تو یہ بھی اندازہ اور خوف تھا کہیں اِس تعلیم سے مسلمان نوجوانوں کے عقائد واعمال پر ...(بقیہ صفحہ 6 پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

دوسری قسط

علی احمد فاطمی کی 'اکبر شناسی'

اسیم کاویانی

گذشتہ سے پیوستہ

فاطمی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی 'یہ بھی کہتے ہیں کہ اکبر کے بارے میں ہماری تنقید گومگو کا شکار رہی بلکہ مگو زیادہ اور گو کم۔' (ص:168)؛

اُن کے کہنے کا مفہوم یہی ہے کہ 'تنقیص زیادہ اور تعریف کم' اگرچہ اُن کے الفاظ یہ مفہوم ادا کرنے سے لاچار ہیں۔ بہرکیف فاطمی صاحب نے اس کتاب کے کئی مضامین ('اکبر اور سلیم'، 'آل احمد سرور کی اکبر شناسی'، 'اکبر کی شاعری اور ترقی پسند تنقید' اور کسی حد تک 'شاہدِ معنی نے اوڑھا ہے ظرافت کا نقاب' میں ترقی پسند تنقید کے چند اہم ناموں: کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، محمد حسن، احتشام حسین، سلیم احمد، مجتبیٰ حسین، سید محمد عقیل، قمر رئیس اور فضیل جعفری کی اسی 'گومگو' یعنی حسینی اور تنقیدی ہر دو طرح کی مثالیں فراہم کر دی ہیں۔ مثلاً کلیم الدین احمد نے اکبر کے آرٹ کو کھلے دل سے یوں سراہا ہے کہ 'اکبر کی شاعری اپنے عہد کی لاجواب، جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اکبر ایک تہذیب، ایک تمدّن کے عاشق ہیں۔ وہ قدامت پسند ہیں اور نئی تہذیب، نئی تعلیم، نئے خیالات کے مخالف ہیں۔ (اب) ان کا خیال درست ہو یا نادرست۔ وہ مذہبی تھے۔ ان کی تان مذہب پر ٹوٹتی ہے، لیکن یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔' وہیں انھیں کمی یہ نظر آئی کہ 'اُن کا آرٹ بہت محدود قسم کا تھا۔' آل احمد سرور؛ اکبر کی فن کاری کے بڑے مداح تھے، لیکن وہ یہ کہنے سے بھی نہیں چوکے کہ: 'اکبر سائنس، عقلیت، فلسفہ، تجربات، فطرت کی تسخیر، انسانی سعی و عمل کی وسعتوں کے قائل نہیں ہیں۔ یہیں آ کر ان کی ظرافت بجائے پُر لطف ہونے کے خطرناک ہو جاتی ہے اور یہ خطرہ اس وجہ سے بھی بڑھ جاتا ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کی ساری رمزیت سے اس سلسلے میں خوب کام لیا ہے اور زبان پر پوری قدرت کی وجہ سے بڑی اچھی تشبیہوں کے ذریعے سے اپنے خیال کو واضح کیا ہے۔' اسی طور انھوں نے باقی نقادوں کی مثبت اور منفی رایوں کو بیان کیا ہے؛ سخن دریں است کہ وہ بہت کم اِن رایوں سے اختلاف کی جرأت کر پاتے ہیں اور عموماً اُن کا رویّہ ع 'جو تُم کو ہو پسند وہی بات کہیں گے' کا سا نظر آتا ہے۔ وہ 'فاروقی اور فاطمی کا کیا مقابلہ؛ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک' (فاطمی، ص:168)، کہتے ہوئے اُن کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ فاطمی نے ان مضامین میں مثبت و منفی رایوں کے تحلیل اور تجزیے کا حوصلہ نہیں کیا؛ بلکہ ہلکے پھلکے تبصروں پر اکتفا کیا ہے۔ بے چارہ قاری جو اس ساری بحث میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتا؛ roller coaster کے سے دھچکوں سے گزرتا رہتا ہے۔ البتہ ایک جگہ فاطمی یہ اعتراف کرتے نظر آتے ہیں:

'اکبر کی باتیں غور طلب ہیں، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ایسے اشعار کی تعداد زیادہ ہے جو نئی تہذیب کے خلاف جاتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اکبر کا غالب رجحانِ سخن کیا ہے اور غالب رجحانِ سخن ترقی پسند فکر کے خلاف ہی جاتا ہے۔ اسی لیے ترقی پسند نقادوں نے اکبر کی تعریف کی تو اس سے زیادہ نکتہ چینی کی۔' (فاطمی، ص:188)

اس کے علاوہ ترقی پسند نقادوں نے عام طور پر؛ اکبر کی مذہب پسندی بلکہ مَیں تو کہوں گا 'تنگ نظرانہ تصورِ مذہب' کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ سیّد محمد عقیل نے لکھا ہے کہ '۔۔۔ وہ پرانی روایات میں تبدیلی کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔۔ اکبر کے نزدیک انسانی حیات اور اس کے تقاضے مذہب ہی کے محور پر گھومتے ہیں۔ وہ مذہب کے بغیر کسی ترقی، کسی زندگی کا تصور گناہ سمجھتے تھے۔' (فاطمی، ص:161-160) افصح ظفر نے بھی لکھا ہے کہ: 'اُن کی تحریر میں عام طور پر مذہب کی چھاپ رہتی ہے۔' محمد حسن نے بھی اکبر کی مذہبیت پر سخت تنقید کی ہے، اور احتشام حسین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ 'اُن کی خواہش تھی کہ دنیا جیسی تھی ویسی ہی ہو جائے یا کم از کم اتنا تو ہو کہ اب کوئی نئی بات اس میں ظہور پذیر نہ ہو۔' (فاطمی، ص:152)۔۔ ان ترقی پسندوں پر فاطمی نے اپنا عجیب و غریب اعتراض درج کیا ہے:

'ان مضامین میں یہ سب معتقدکم معترض زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔' (فاطمی، ص:205)

گویا ادب بھی کوئی مذہب ٹھہرا؛ جس میں اعتقاد نہ رکھنے والا مستوجبِ سزا قرار دیا جائے! بریں عقل و دانش بباید گریست!

اب چاہے ترقی پسندوں کو وہ ناپسند رہا ہو؛ اکبر کے مذہب ملتفت شعری رجحان کو ادبِ اسلامی کے حامیوں نے اپنے گون کی چیز پایا تھا۔ عبدالماجد دریابادی کی رائے میں اکبر مومن، مدبّر، حکیم اور فلسفی سبھی کچھ تھے۔ ان کی تفہیم اکبر کا موٹو (moto) آپ اُن کے ان لفظوں کو قرار دے سکتے ہیں:

'اکبر کا قبلۂ مقصود، وطن کے بجائے آخرت؛ ملک کے بجائے دین؛ اور قوم کے بجائے خدا تھا۔' ('اکبر نامہ'، ص:72)

ماہر القادری کی نظر میں اکبر کی شاعری 'جزو یست از پیغمبری' ٹھہری تھی۔ جمیل جالبی نے تو گویا قولِ فیصل پیش کر دیا تھا: 'مَیں اکبر کی شاعری کو مسلم قوم کے اجتماعی ضمیر کی آواز سمجھتا ہوں۔' ان کے علاوہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نے اکبر کی شاعری کو تبلیغ اور دعوتِ دین کے لیے بہتر جانا تھا: 'اکبر کے اشعار ذہن و شعور کی تشکیل اس طور کرتے ہیں کہ در ہندو بیرونِ ہند دعوتی کاموں میں ان کا بنیادی حصہ ہوتا ہے۔' مغربیت اور جدیدیت کے ردِّ عمل میں احیا پسندی اور تبلیغِ دین کے ان علم برداروں کے مطلب کے مال کی اکبر کے شعری خزانے میں کمی کبھی نہیں رہی:

گزر اُن کا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں
پلے کالج کے سائے میں مرے صاحب کے دفتر میں
برکتیں ساکت، سعادت دم بخود، مذہب خموش
دل دعا سے بے خبر، تدبیر ہی سے میل ہے
ہے جو قسمت میں وہی ہوگا؛ نہ کچھ کم نہ زیادہ
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو؛ حسرت کیسی!

فاطمی صاحب نے اکبر کی شاعری کی توصیف میں ایک مضمون جو منشی پریم چند کے تبرّکات میں سے ہے؛ پیش کیا ہے۔ اکبر اپنے دور میں ہر دل عزیز تھے اور ان کے مکاتیب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ہم عصر اکابر میں ان کے مذاقِ سخن کے بہت سے مدّاح تھے۔ پریم چند اور اکبر دونوں اپنے زمانے کی ایک خاص تہذیب اور روایت کے شیفتہ تھے اور اسی ذہنی مناسبت نے ان سے وہ مضمون لکھوایا ہے۔ اسی طرح فاطمی نے اکبر پر فراق کی ایک طویل مدحیہ نظم پر بھی ایک مضمون رقم کیا ہے۔ راقمِ تحریر کا کہنا ہے کہ 'مبالغہ' کو شاعری کا زیور کہا گیا ہے۔ اور اکثر مدح کے باب میں شاعر حدِّ اعتدال سے دور ہو جاتا ہے۔ فراق نے بھی اپنی مدح کی دُھن میں اکبر کو علاوہ اور خوبیوں کے وطن پرست، عمل کا پیمبر اور انقلابی اور ارسطو سے بڑھ کر دانا ٹھیرا دیا ہے۔ فاطمی صاحب نے اس نظم کی ستائش کسی قدر تصریح و تفصیل سے کی ہے کہ جیسے اکبر کا فن اور ان کی شخصیت ان اوصاف سے اُسی طرح متّصف رہی ہو:

کوئی بتائے کہاں فلسفوں کے نکتوں میں
جو ایک راز تری شوخیِ نگاہ میں ہے
مَیں پوچھتا ہوں کہاں منطقِ ارسطو میں
جو ایک بات تری طنزِ بے پناہ میں ہے

خاص طور پر اکبر کی ارسطو سے ٹکّر نے ہمارے کہنہ مشق نقّاد کو نہال کر دیا ہے۔ اس کتاب کے مضامین میں جہاں کہیں ہمارے نقّاد کو اکبر کی عظمت بحال کرنے کے موہوم سے مواقع بھی میسّر آئے ہیں؛ اُن کی موجِ خرامِ خامہ، گُل کترتی نظر آتی ہے۔ مثلاً اُن کی کتاب میں ص:186 پر اکبر کا یہ شعر درج ہے:

زمانے نے مرے آگے تو دنیا پیش کر دی تھی
مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا

یہاں بھی فاطمی صاحب کے تبصرے کا وہی انداز ہے:

'یہ انکاری تیور اکبر کو بطور شاعر اور صوفی بلند مقام عطا کرتا ہے۔ یہ بلندی، دور بینی آج ہمارے بڑے کام آ رہی ہے۔ آج کے صارفی دور میں سب سے زیادہ جو شاعری ہمارے کام آ سکتی ہے، اس میں پہلا نام اگر اقبال کا ہے تو دوسرا نام اکبر کا ہی آئے گا لیکن اس سے سرسیّد اور حالی کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔' (فاطمی، ص:186)

فاضل نقّاد کو شاعر کے شعروں کی face value یا ظاہری صورت کو اسی طرح حقیقی معنوں میں قبول کرنے سے پہلے ذرا علامہ اقبال کے اس قول پر دھیان کر لینا چاہیے تھا:

'شاعری میں منطقی سچّائی کی تلاش بیکار ہے۔ تخیّل کا آئیڈیل تو حسن ہوتا ہے؛ سچّائی نہیں؛ تو پھر کسی شاعر کی عظمت کو اس کی تخلیقات کے حوالہ جات سے ظاہر کرنے کی کوشش نہ کریں؛ جو آپ کے گمان میں سائنسی سچّائی کی عکّاسی کرتے ہیں۔'[2]

بالفرض محال فاطمی صاحب کے لیے اگر یہی معیارِ نقد ٹھہرا ہے تو اکبر کے ایسے بیسیوں اشعار کے ظاہری معانی قبول کرنے میں انھیں بڑی دقّت پیش آئے گی:

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

حقوقِ انسانی کی مخالفت میں:

بھلا جو چاہو اُس کا؛ ہرگز نہ سکھاؤ
بحثِ حقوقِ انساں نیٹو آف انڈیا کو

(بقیہ صفحہ 7 پر)

قسط نمبر:9

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

ڈاکٹر ابراہیم افسر

آخری حصّہ

رشید حسن خاں نے بڑوں کے علاوہ بچوں کے لیے بھی املا، زبان وقواعد سے متعلق مضامین سپردِ قلم کیے ہیں۔ان کے یہ مضامین رسالہ 'پیامِ تعلیم' (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی) اور بچوں کا ماہنامہ 'اُمنگ' (اُردو اکادمی، دہلی) میں شائع ہوئے۔رشید صاحب نے رسالہ 'پیامِ تعلیم' کے لیے مضامین مدیر رسالہ محمد حسین حسّان ندوی کی ایما پر لکھے۔ رسالہ 'پیامِ تعلیم' میں بچوں کے لیے مضامین لکھنے کا سلسلہ مئی 1972 تا جون 1973 کو محیط ہے۔ مدیر رسالہ نے مئی 1972 کے شمارے میں رشید صاحب کے مضمون 'حرفوں کا جادو' کی پہلی قسط پر خصوصی نوٹ لگاتے ہوئے لکھا:

''آیئے آج آپ کو ایک نئے بزرگ سے ملائیں۔ جناب رشید حسن خاں صاحب سے۔ بڑوں کی دنیا میں تو بہت دنوں سے مشہور ہیں۔ اُردو کے بہت بڑے عالم ہیں۔ یوں کہیے کہ بہت بڑے ریسرچ اسکالر ہیں۔ ریسرچ اسکالر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو علمی مسئلوں کی تحقیق اور چھان بین میں لگے رہتے ہیں۔ رشید حسن خاں صاحب نے بھی ایک مدّت سے اُردو زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ رات دن اسی میں لگے رہتے ہیں۔ مکتبہ جامعہ کی خاص طور پر سرپرستی فرماتے ہیں۔ مکتبہ ایک عرصہ سے معیاری کتابیں یا کلاسکس شائع کر رہا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے اس کام میں مکتبے کی خاص طور پر مدد کی ہے۔ ہماری بہت دنوں سے خواہش تھی کہ خاں صاحب سے آپ کے پیامِ تعلیم کے لیے بھی کچھ لکھوائیں، مگر کچھ تو وہ تحقیق کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ کچھ یہ خیال تھا کہ بچوں کے لیے بچوں کی زبان میں لکھنا ان کے لیے مشکل تھا پر اپنے ادارے کا خیال بھی تھا۔ آخر ایک دن ہمّت کر ہی ڈالی اور ایسی چیز لکھ دی کہ بس پڑھ کے دیکھیے۔ خاں صاحب نے سچ مچ جادو جگایا ہے۔ ایسی پیاری نکھری ستھری ایسی صاف اور سادہ زبان لکھی ہے کہ مضمون پڑھ کر مزہ آجائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ جو باتیں مضمون میں لکھی ہیں وہ آپ کے لیے کتنی کارآمد ہیں۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ ان کے مضمون کی پہلی قسط ہے۔ آئندہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ خاں صاحب کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ بچوں کے لیے بھی لکھ سکتے ہیں، اور یہ احساس ہمارے لیے بہت کارآمد ہے۔''[۶]

رشید حسن خاں نے اپنے مضمون کی پہلی قسط میں داستانوی و افسانوی طرزِ تحریر اختیار کرتے ہوئے املا، رموزِ اوقاف اور صحتِ تلفظ کی فنی باریکیوں کو بچوں کو آسان زبان میں سمجھایا۔ رشید صاحب کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اب تک وہ بڑوں کے لیے مضامین لکھ رہے تھے، لیکن انھوں نے پہلی بار بچوں کی نفسیات و ترجیحات کو مدنظر رکھتے ہوئے مضمون لکھا تھا۔ انھوں نے اس نئے اور انوکھے تجربے سے بچوں کے ساتھ بڑوں کو بھی متاثر کیا۔ رشید صاحب نے اس مضمون میں اپنی ابتدائی تعلیم کے قصے بھی بیان کیے۔ بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ وہ بھی زمانۂ طالبِ علمی میں وہ املا کی خوب غلطیاں کرتے تھے، لیکن مشفق ومہرباں استاد املا کی غلطیوں کو کاپی میں درست کر دیتے تھے۔ موصوف نے زمانۂ طالبِ علمی کی املائی غلطیوں کے بارے میں لکھا:

''ایک دفعہ یہ مصیبت مجھ پر پڑ بھی چکی ہے۔ ایسی نصیحت ہوئی کہ آج تک یاد ہے۔ ہوا یوں کہ اُردو پڑھانے والے مولوی صاحب نے ایک دفعہ یہ کہا کہ چھٹی کی ایک درخواست لکھ کر دکھاؤ۔ یہ اسکول کے زمانے کی بات ہے۔ خوشی خوشی درخواست لکھی اور کاپی پیش کر دی۔ خوب جی لگا کے اور بنا بنا کے عبارت لکھی تھی۔ خیال یہ تھا کہ شاباشی بھی ملے گی اور سارے کلاس میں سب سے اچھے نمبر بھی ملیں گے۔ ہوا اُلٹا۔ درخواست شروع اس طرح کی تھی:

بخدمت جناب پرنسپل صاحب۔

جنابِ عالی، گذارش یہ ہے کہ...

ان سطروں ہی کو مولوی صاحب نے پڑھا تھا کہ ماتھے پر گہری گہری اور موٹی موٹی شکنیں پڑ گئیں۔ عینک اُتار کے میز پر رکھ دی اور آنکھیں نکال کے یوں دیکھا کہ میں تو سہم گیا۔ پھر جو انھوں نے مزاج پوچھا ہے تو توبہ بھلی۔ ذرا دیر کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ دیکھو، آج تو سمجھائے دیتا ہوں۔ آیندہ ایسی غلطی ہوئی تو مرغا بنا دوں گا بلکہ پیٹھ پر دو اینٹیں بھی رکھ دوں گا۔

جی ہاں، اُن دنوں یہ سب ہو سکتا تھا۔ غضب خدا کا میرا شاگرد اور درخواست تک نہ لکھ پائے۔ استغفر اللہ، لاحول ولا قوۃ! ایک دو منٹ اس میں نکل گئے۔ خدا خدا کر کے مولوی صاحب نے پھر عینک لگائی۔ یہ اس کا اعلان تھا کہ غصّہ ختم اور پڑھائی لکھائی شروع۔

اب مولوی صاحب نے بتایا کہ دیکھو میاں! اِن دو سطروں میں دو تو کھلی کھلی غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم نے جناب کے ساتھ صاحب بھی لکھا ہے۔ یا تو شروع میں جناب لکھو، یا آخر میں صاحب''۔[۷]

رشید صاحب کے رسالہ 'پیامِ تعلیم' میں شائع ہوئے تمام مضامین کو احقر نے 'حرفوں کا جادو' عنوان سے مرتب کر کے 2026 میں شائع کیا ہے۔ قارئین مذکورہ تمام مضامین کا مذکورہ کتاب میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

رشید صاحب نے بچوں کا ماہنامہ 'اُمنگ' میں مخمور سعیدی کی ایما پر مضامین لکھے۔ حالاں کہ ان کی دلی خواہش تھی کہ 'اُمنگ' میں ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جس میں صحتِ تلفظ اور درست محاوروں سے متعلق ہر شمارے میں بچوں سے گفتگو کی جائے[۸]۔ اس بارے میں رشید صاحب نے مخمور سعیدی کے نام خطوط ارسال کیے۔ رسالہ 'اُمنگ' میں جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو بچوں کے ساتھ بڑوں نے اسے خوب پسند کیا۔ سرور تونسوی نے رشید حسن خاں کے مضامین کے بارے میں لکھا:

''جون کے اُمنگ میں رشید حسن خاں صاحب کے مضمون 'اُردو ہے جس کا نام' کی دوسری قسط نظر سے گزری۔ انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بچوں کے لیے تو کیا مجھے ایسے 77 سالہ عمر کے لوگوں کے لیے بھی مفید ہے۔ دراصل ہمیں بچوں کے لیے اُردو کے بارے میں ایسی ابتدائی معلومات سے واقف کرانے کی ہی ضرورت ہے۔ کیوں کہ یہ معلومات تو درجنوں پی ایچ.ڈی حضرات کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ حالاں کہ کالجوں میں اُردو پڑھانے کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جناب رشید حسن خاں مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بچوں کے لیے اُردو کے بارے میں ایسی مفید معلومات قلم بند کر کے اُردو کی صحیح خدمت کا راستہ اپنایا ہے اور آپ مبارک باد کے اس لیے مستحق ہیں کہ 'اُمنگ' کو اس درجہ معلوماتی اور دل چسپ بنانے میں لگے ہوئے ہیں کہ مجھ جیسا انتہائی مصروف شخص بھی اس کے مطالعے کے لیے وقت نکالنا ضروری سمجھتا ہے''۔[۹]

رشید صاحب نے 'اُمنگ' میں شائع مضامین میں بچوں کو آسان زبان میں املا، قواعد اور صحت تلفظ کے بارے میں بہت ہی کارآمد باتیں بتائیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے اکثر ہمارا سابقہ روزانہ پڑتا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون کی دوسری قسط کے لفظ 'سرورق اور سرِ ورق' پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتایا:

'سرورق' اور 'سرِورق' دو مختلف لفظ ہیں؛ اِن کے معنی بھی الگ الگ ہیں۔ جب آپ 'سرِورق' (اضافت کے ساتھ) کہیں گے تو اُس کے معنی ہوں گے: کسی ورق کی پہلی سطر۔ مثلاً کسی خط میں یا کسی کتاب میں سب سے پہلے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' لکھا ہوا ہے، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرِ ورق بسم اللہ لکھی ہوئی ہے۔ اس کو ایک اور مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے: کوئی شخص یہ کہے کہ اُن کا نام تو سرِ فہرست لکھا ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فہرست میں سب سے اوپر، یعنی سب سے پہلے وہ نام لکھا ہوا ہے۔

'سرورق' (اضافت کے بغیر) جب کہا جائے گا تو اُس کے معنی ہوں گے: کتاب کا پہلا ورق۔ ان دونوں لفظوں کے استعمال میں اس فرق کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ 'اس کتاب کا سرِورق تو بہت خراب ہے' تو کہا جائے گا کہ جُملہ غلط ہو گیا، اُنھیں سرورق (اضافت کے بغیر) کہنا چاہیے تھا۔

اِس کی وجہ بھی سمجھ لیجیے: 'سرِورق' میں اضافت ہے۔ اضافت کا مطلب ہوتا ہے دو مختلف لفظوں میں کسی طرح کا تعلق پیدا کرنا۔ اس کی ظاہری پہچان یہ ہوتی ہے کہ پہلے لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آتا ہے۔ جیسے: خوابِ شب، صبحِ عید، نورِ چشم، شاعرِ غریباں، عذابِ دوزخ۔ پہلے لفظ کو 'مُضاف' کہتے ہیں اور دوسرے لفظ کو مُضاف اِلیہ۔ جیسے 'صُبحِ بنارس' میں 'صُبح' مُضاف ہے اور 'بنارس' مُضاف اِلیہ ہے۔ 'صُبح' (یعنی مُضاف) کے آخری حرف 'ح' کے نیچے زیر آئے گا۔ اِس زیر کو اضافت کی پہچان مانا جاتا ہے۔ 'صُبحِ بنارس' کے معنی ہیں: بنارس کی صُبح۔ اسی طرح 'سرِ ورق' میں پہلا لفظ مُضاف ہے اور دوسرا لفظ مُضاف الیہ، اس کے معنی ہیں: وَرَق کا سر (یعنی اوپر کا حصہ)''۔[۱۰]

ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے اپنی کتاب 'صحتِ زباں' [الفاظ، محاورات اور مرکبات کا درست استعمال: پہلا حصہ،] کے 'معروضات' میں رشید حسن خاں کی اصلاحِ املا کے تعلق سے دی گئی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے رشید صاحب کی کتاب 'اُردو املا' کے ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

تحقیق میں عجلت پسندی سے بچنا چاہیے

پروفیسر اعجاز علی ارشد

پٹنہ (26 اگست)۔ تحقیق ایک دقّت طلب، سنجیدہ اور علمی کام ہے، اس میں عجلت پسندی کا کوئی گزر نہیں۔ کسی موضوع پر صبر وتحمل کے ساتھ مستند حوالوں اور گہرے مطالعے کے بعد نئے نتائج تک پہنچنا محقق کی ذمے داری ہوتی ہے۔ اس عمل میں سخت محنت، صبر وضبط اور مستحکم ارادے ضروری ہوتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی میں نئے ریسرچ اسکالرز کے لیے منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے معروف ناقد ومحقق پروفیسر اعجاز علی ارشد نے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ تحقیق کی صورتِ حال پر توجہ کی ضرورت ہے۔ کاتالے دوڑی کا عمل تحقیق میں نہیں چلتا۔ یہاں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ بیان اور زبان دونوں پر توجہ دینی پڑتی ہے کیوں کہ تحقیق میں متن اور زبان دونوں تنقید، تحقیق اور شاعری سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ تقریب کے آغاز میں موضوع کا تعارف کراتے ہوئے شعبے کے استاد پروفیسر شہاب ظفر اعظمی نے کہا کہ محض ڈگری کے حصول کے لیے کی گئی تحقیق کا نام تحقیق نہیں ہے، تحقیق کے لیے دلچسپی اور لگن کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں روزِ اول سے روزِ آخر تک سچائی، ایمانداری اور حق گوئی کے ساتھ سفر کرنا ہوتا ہے۔ تحقیق محض سچ اور حق کی تلاش کا نام نہیں ہے بلکہ اس سچ تک پہنچنے کے لیے جو راستہ آپ نے چنا ہے اس پر سچائی اور حق کے ساتھ چلنے کا بھی نام ہے۔ انھوں نے اسکالرز سے گزارش کی کہ اب فرسودہ موضوعات مثلاً شخصیت اور اصناف کی تاریخ وروایت وغیرہ سے آگے بڑھ کر ایسے نئے موضوعات تلاش کریں جو عصری صورتِ حال کے مطابق اور زبان و ادب کے تحفظ وبقا میں معاون ہوں۔ اب بنیادی تحقیق کے بجائے اطلاقی تحقیق کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ ڈیجیٹل عہد، نئی قومی تعلیمی پالیسی اور اپنی ثقافت پر زور کے رجحان نے واضح کردیا ہے کہ اب موضوعات کے انتخاب میں اس پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ موضوع ہمارے سماج، معاشرے، تاریخ اور تہذیب کے تحفظ وفروغ میں کتنا اہم کردار ادا کرے گا۔ صدرِ شعبہ پروفیسر سورج دیو سنگھ نے صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے اسکالرز کو پابندی کے ساتھ کلاس کرنے، تحقیق کے طریقِ کار کو سمجھنے اور تحقیقی وسائل کے درست استعمال سے واقفیت حاصل کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ یہ کورس محض ایک ڈگری کا حصول نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے آپ کو گہرے مطالعے، فکر اور نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔ اب تحقیق کی راہیں مزید دشوار ہوگئی ہیں۔ مصنوعی ذہانت اور ڈیجیٹل دنیا نے سہولتوں کے ساتھ قدم قدم پر امتحان کے سامان بھی پیدا کردیے ہیں، محقق کو ان کا خیال رکھنا ہے اور راستے کی دشواریوں کا سامنا کرتے ہوئے سچ اور حق تک پہنچنا ہے۔ اس موقع پر شعبے کی اساتذہ ڈاکٹر مسرت جہاں اور ڈاکٹر افشاں بانو نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور تحقیق اور اس کے مبادیات سے روشناس کراتے ہوئے اپنے تجربات سے اسکالرز کی رہنمائی کی۔

اردو اسکولوں میں ہفتہ وار تعطیل پر سی. ایم. سکریٹریٹ کو مکتوب

پٹنہ (6 ستمبر)۔ بہار کے سرکاری اردو اسکولوں میں ہفتہ وار تعطیل کے معاملے پر محکمۂ تعلیم کو مناسب فیصلہ کرنے کی وزیرِ اعلا سمراٹ چودھری نے ہدایت دی ہے۔ اپوزیشن آر جے ڈی کے سینئر و سرگرم نوجوان رہنما اور رکن بہار قانون ساز کونسل قاری صہیب کے ذریعے لکھے گئے خط اور مطالبے کو وزیرِ اعلا نے سنجیدگی سے لیتے ہوئے محکمۂ تعلیم کو یہ ہدایت دی ہے۔ سی ایم سکریٹریٹ سے محکمۂ تعلیم کو خط ارسال کیا گیا ہے۔ جمعرات کو نصف یوم اور جمعے کو مکمل ہفتہ وار تعطیل کے مطالبے پر بہار حکومت نے باقاعدہ کارروائی شروع کردی ہے۔ قاری محمد صہیب کی جانب سے اس سلسلے میں وزیرِ اعلا بہار کو ارسال کردہ مکتوب کے جواب میں وزیرِ اعلا سکریٹریٹ نے محکمۂ تعلیم بہار کو معاملے کی جانچ کرکے مناسب فیصلہ لینے اور کارروائی سے متعلق قانون ساز کونسل کے رکن قاری صہیب کے ساتھ وزیرِ اعلا سکریٹریٹ کو بھی مطلع کرنے کی ہدایت دی ہے۔ قاری محمد صہیب نے 21 جولائی 2026 کو وزیرِ اعلا کے نام مکتوب نمبر 174 /آ-/ کا ارسال کرتے ہوئے سرکاری اردو اسکولوں کے لیے جمعرات کو نصف یوم اور جمعے کو مکمل ہفتہ وار تعطیل کے سلسلے میں بلا تاخیر واضح سرکاری حکم جاری کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس مطالبے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے وزیرِ اعلا سکریٹریٹ نے 2 ستمبر 2026 کو مکتوب نمبر 5542092 /م،م،س جاری کیا ہے۔

(روزنامہ 'پندار'۔ پٹنہ)

انجمن ترقی اردو کرناٹک کا بڑا اور تاریخی کارنامہ، وظیفہ یاب افسروں کی کوششیں رنگ لائیں
کرناٹک میں اردو اسکولوں کی صورتِ حال پر جائزہ رپورٹ حکومت کو پیش

بنگلورو (10 ستمبر)۔ کرناٹک میں اردو اسکولوں کی موجودہ صورتِ حال کو بہتر بنانے اور انھیں جدید تعلیمی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ریاستی حکومت نے تمام ضروری قدم اٹھانے کا یقین دلایا ہے۔ ریاست کے وزیر برائے اسکولی تعلیم مدھو بنگارپا نے کہا کہ اردو اسکولوں کی بہتری کے لیے محکمۂ اسکولی تعلیم پہلے ہی متعدد اقدام پر کام کر رہا ہے جب کہ جائزہ رپورٹ میں پیش کی گئی قابلِ عمل سفارشات کو بھی مرحلہ وار نافذ کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ کرناٹک میں اردو اسکولوں کی صورتِ حال اور ان کی بہتری کے لیے ضروری اقدام سے متعلق ایک جامع جائزہ رپورٹ جمعرات کو ریاستی حکومت کے حوالے کی گئی۔ انجمن ترقی اردو ہند (کرناٹک) کی پہل پر وظیفہ یاب سرکاری افسروں کے ایک گروپ نے ریاست کے مختلف علاقوں کا دورہ کرکے زمینی حقائق کا جائزہ لیا اور اس کے بعد ایک مفصل رپورٹ تیار کی جس میں اردو اسکولوں کی بہتری کے لیے 14 اہم سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ وزیر اسکولی تعلیم مدھو بنگارپا نے رپورٹ حاصل کرنے کے بعد اس میں شامل سفارشات کا جائزہ لیا اور کہا کہ ان میں سے متعدد امور پر محکمۂ اسکولی تعلیم پہلے ہی کام کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دیگر قابلِ عمل سفارشات کو بھی مرحلہ وار نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انھوں نے محکمۂ تعلیم کی پرنسپل سکریٹری رشمی مہیش کو ہدایت دی کہ رپورٹ میں پیش کی گئی تمام سفارشات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور قابلِ عمل تجاویز کے بارے میں انھیں آگاہ کیا جائے تاکہ وزیرِ اعلا سے مشاورت کے بعد مناسب اقدام کیے جاسکیں۔ رپورٹ میں اردو اسکولوں کی بنیادی ضروریات اور تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے متعدد اہم تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ایک اہم سفارش یہ ہے کہ اقلیتی بجٹ میں مختص رقم کا پندرہ فیصد حصہ محکمۂ اسکولی تعلیم کو فراہم کیا جائے تاکہ اس کے ذریعے اردو اسکولوں کے بنیادی ڈھانچے، عمارتوں اور دیگر ضروری سہولتوں کو بہتر بنایا جاسکے۔ رپورٹ میں موجودہ لوئر پرائمری اردو اسکولوں کو ترقی دے کر ہائر پرائمری اسکولوں کا درجہ دینے کی سفارش بھی کی گئی ہے تاکہ طلبہ کے ڈراپ آؤٹ کی شرح میں کمی لائی جاسکے۔ اسی طرح انگلش میڈیم اسکولوں میں منتقل ہونے والے ساتویں اور دسویں جماعت کے طلبہ کے لیے معاون برج کورس شروع کرنے کی تجویز دی گئی ہے تاکہ انھیں تعلیمی منتقلی کے دوران مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سفارشات میں تمام اردو اسکولوں میں جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے تدریس کی سہولت فراہم کرنے، اساتذہ کی خالی اسامیوں کو فوری طور پر پُر کرنے اور اردو و دیگر لسانی اقلیتی زبانوں کے ڈائرکٹوریٹ کو مزید مستحکم کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اردو اسکولوں میں تعلیم کے معیار کی مسلسل نگرانی کے لیے کلسٹر ریسورس پرسن (CRP)، سبجیکٹ انسپکٹرز اور ای سی او زکی خالی اسامیوں کو بھی جلد پُر کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اردو میڈیم اسکولوں کو تدریسی مواد، ترغیبی انعامات اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں کے لیے محکمۂ اقلیتی بہبود کی جانب سے مناسب فنڈ فراہم کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی ہے۔ اردو زبان کے فروغ اور طلبہ میں زبان کے تئیں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے انگلش لیب کی طرز پر اردو لیب قائم کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے۔ اس موقعے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ریاستی لجسلیٹو کونسل کے چیئرمین سلیم احمد نے رپورٹ کی تیاری کو ایک اہم قدم قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس رپورٹ کے ذریعے پہلی مرتبہ منظّم انداز میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ریاست کے اردو اسکولوں کی اصل صورتِ حال کیا ہے اور انھیں بہتر بنانے کے لیے کن اقدام کی ضرورت ہے۔ انھوں نے یقین دلایا کہ سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلسل کوششیں کی جائیں گی۔ اس موقعے پر وزیر ہاؤسنگ ضمیر احمد خاں، وزیرِ صحت، خاندانی بہبود، اقلیتی فلاح وحج واوقاف یو.ٹی. قادر، وزیر خوراک، شہری رسد وامور صارفین رضوان ارشد، رکنِ راجیہ سبھا منصور علی خاں اور رکنِ اسمبلی اور بی ڈی اے کے چیئرمین این.اے. حارث نے بھی خطاب کیا اور تجویز دی کہ ان اسکولوں کو انگلش میڈیم کے طور پر ترقی دینے کے ساتھ ساتھ ریاست کے تمام اسکولوں میں اردو کو ایک زبان کے طور پر پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ اس موقعے پر رکنِ کونسل محترمہ بلقیس بانو، دیوراج ارس ٹرک ٹرمنل کے چیئرمین وائی.سعید احمد، انجمن ترقی اردو (ہند) کرناٹک کے چیئرمین محمد عبیداللہ شریف، جائزہ کمیٹی کے ممبران وظیفہ یاب آئی.اے.ایس. افسران عزیز اللہ بیگ، ادونی سیّد سلیم، ایم. اے. خالد، کرناٹک اردو اکیڈمی کے سابق صدور م.ن. سعید، مبین منور، سیّد اشرف، شفیق عابدی، فریدہ رحمت اللہ، مدبر احمد خاں اور دیگر ممتاز شخصیات موجود تھیں۔ (روزنامہ 'سالار'۔ بنگلورو)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ یادگیر کی جانب سے
سیّد اسداللہ کی تہنیت

یادگیر (3 ستمبر)۔ گورنمنٹ ڈگری کالج یادگیر میں ڈاکٹر سیّد اسداللہ کا بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر آف اردو سبجیکٹ تقرر ہونے پر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ یادگیر کے ذمے داران کی جانب سے کالج پرنسپل کے دفتر میں تہنیت واستقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقعے پر انجمن کے ذمے داران میں صدر ڈاکٹر رفیق سوداگر، جناب خادم اظہر اور جناب ساجد حیات صحافی وکالم نگار نے پرنسپل کالج ڈاکٹر سبھاش چندرا کاولگی اور ڈاکٹر سیّد اسداللہ کو تہنیت پیش کی۔ دورانِ تقریب ڈاکٹر رفیق سوداگر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر سیّد اسداللہ کے تقرر سے یادگار کے طلبہ میں اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے مزید راہیں ہموار ہوں گی۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ ڈاکٹر سیّد اسداللہ کی سرپرستی میں شعبۂ اردو نئی بلندیوں کو چھوئے گا۔ خادم اظہر نے کہا کہ گورنمنٹ ڈگری کالج یادگیر کا شمار شہر کے قدیم کالجوں میں ہوتا ہے۔ بدلتے دور کے سبب یہاں اب بی ایس سی، بی اے، بی کام، بی بی اے، اور دیگر کورسز میں اردو مضمون طلبہ وطالبات کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ تہنیتی تقریب کے موقعے پر گرو پرساد دودیدا لکچرار اور اسٹوڈنٹس بھی موجود تھے۔ (انقلابِ دکن۔ گلبرگہ)

نارنگ ساقی محسنِ اُردو تھے: پروفیسر اختر الواسع

نئی دہلی (25 اگست)۔ محبِّ اردو کے. ایل. نارنگ ساقی کے 90ویں یومِ پیدائش کے موقع پر انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں کنور مہندر سنگھ بیدی لٹریری ٹرسٹ کی جانب سے ایک پُر وقار جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر اختر الواسع نے کی۔ انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ زبانیں مکالمے کے لیے ہوتی ہیں تنازع کے لیے نہیں۔ نارنگ ساقی اردو کا چاہنے والا تھا۔ وہ اردو کا محسن تھا۔ اردو اور ہندی کے چھوٹے بڑے شاعروں نے ان سے استفادہ کیا۔ انھوں نے اردو کے تمام لوگوں کے لیے بڑے کام کیے۔ پروفیسر اختر الواسع نے نارنگ ساقی کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا کہ اردو زبان صرف مسلمانوں کی نہیں سب کی ہے، انھیں اس سے محبت تھی۔ انھوں نے کئی کتابیں ترتیب وتصنیف کیں جو مقبول ہوئیں۔ اس موقع پر کنور مہندر سنگھ بیدی لٹریری ٹرسٹ کے چیئرمین اشو جیت سنگھ نے کہا کہ نارنگ ساقی ہمارے نانا بیدی صاحب کے دیرینہ دوست تھے، انھی کی کوشش سے یہ ٹرسٹ بنا۔ وہ اس کے بانی جنرل سکریٹری تھے۔ انھوں نے بہت کام کیا ہے، ہم ان کی خدمات اور یادوں کو بھلا نہیں سکتے۔ اس موقعے پر چندر بھان خیال نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ انسان دوست اور ادیب نواز تھے۔ جلسے میں موجود پروین ویاس نے کہا کہ نارنگ ساقی جتنی اردو والوں کی سرپرستی کرتے اتنی ہی ہندی اور دوسری زبانوں کی بھی سرپرستی کرتے تھے۔ ہندی پروگراموں میں بھی برابر شرکت کرتے تھے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر عقیل احمد نے ان کی حیات وخدمات پر بھرپور روشنی ڈالی۔ 24 اگست 1936 کو لاہور سے متصل فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ فیروز پور میں ہی مکمل تعلیم حاصل کی۔ طالبِ علمی کے زمانے میں ہی سوڈھی فیروز پور سے ساقی کے نام سے ایک اردو رسالہ جاری کیا۔ وہ اردو ادب کی ایک معتبر شخصیت مانے جاتے تھے۔ 6 جون 2026 کو نئی دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

ٹی یو ڈبلیو جے ایف کی جانب سے
اردو صحافیوں کو ایوارڈز

حیدرآباد (2 اگست)۔ وزیرِ اقلیتی بہبود ریاستِ تلنگانہ جناب محمد اظہر الدین نے کہا کہ پیشہ ور صحافت ایک مقدس پیشہ ہے اور اس پیشے سے وابستہ صحافی حضرات سماج کے معزز اور قابلِ احترام شخصیات ہیں۔ انھوں نے کہا کہ صحافی حضرات جب بھی کوئی تعمیری تنقید کرتے ہیں اور تجاویز پیش کرتے ہیں، وہ ہمارے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہیں اور ہم ان پر ہر ممکن طور پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انھوں نے تلنگانہ اردو ورکنگ جرنلسٹ فیڈریشن (ٹی یو ڈبلیو جے ایف) کے دسویں سالانہ ایوارڈ فنکشن سے میڈیا اکیڈمی آڈیٹوریم نامپلی حیدرآباد میں خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقعے پر جناب محمد اظہر الدین اور جناب محمد علی شبیر کے ہاتھوں روزنامہ 'اعتماد' کے جناب نوید بلال، حافظ ایم قیوم (میدک)، جناب امتیاز خاں (سنگاریڈی)، جناب افضل خاں (نظام آباد)، جناب اعجاز احمد خاں (نرمل)، جناب عبدالاحد صدیقی (محبوب نگر) اور محترمہ عائشہ بتول (حیدرآباد) کو توصیف نامے، مومنٹو اور شال پیش کیے گئے جب کہ ہر ایوارڈ یافتہ صحافی کو دس ہزار روپے کا چیک بھی دیا گیا۔ یہ ایوارڈز مرحوم جناب فیض محمد اصغر، مرحوم جناب تبسم فریدی، مرحوم جناب حبیب علی جیلانی اور مرحوم پروفیسر عبدالرحیم کے نام سے دیے گئے۔ علاوہ ازیں جناب عزیز احمد (جوائنٹ اڈیٹر روزنامہ اعتماد)، جناب عمر دراز خاں (اڈیٹر رہنمائے دکن)، ڈاکٹر فاضل حسین پرویز (چیف اڈیٹر ہفت روزہ گواہ)، جناب امر دیولا پلی اور جناب مسکین احمد کی تہنیت کی گئی اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ سینئر صحافی جناب عثمانی رشید نے جناب محمد اظہر الدین اور جناب محمد علی شبیر کی گل پوشی کی۔ جناب ایم اے ساجد نے کہا کہ ہم قلم کے مزدوروں کے لیے بے لوث جدوجہد کر رہے ہیں، جب کہ صحافیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ایوارڈز کا یہ سلسلہ ہماری ایک چھوٹی سی خدمت ہے۔ انھوں نے کہا کہ فیڈریشن کا ایک بنیادی مقصد اردو والوں کو آپس میں جوڑے رکھنا بھی ہے۔ انھوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے بعض شمالی علاقوں میں اردو بولنے والوں کے ساتھ تعصب برتا جا رہا ہے۔ اردو صحافیوں کو ایوارڈز دیے جانے کے طریقِ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ

رفتید ولے نہ از دلِ ما

بشیر پرواز

شولاپور۔ سینئر شاعر، ادیب، نقاد، صحافی، ڈراما نگار اور معلم بشیر پرواز 3 ستمبر 2026 کے پہلے ہفتے میں انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر 82 برس تھی۔ مرحوم شولاپور کی فعال ادبی شخصیت اور 'بزمِ غالب' کے صدر تھے۔ اس عہدے پر وہ تیس پینتیس برس (تادمِ آخر) رہے۔ اُن کے انتقال سے شولاپور اور مہاراشٹر ہی کی نہیں، پورے ملک کے علمی اور ادبی حلقے غمزدہ ہیں۔

بشیر پرواز برسوں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ شولاپور بلدیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اُن کا تقرر دی پروگریسو اُردو ہائی اسکول میں ہوا تھا۔ سبکدوشی کے باوجود عملاً وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوئے۔ بزمِ غالب کے عہدۂ صدارت پر فائز رہے۔ یہ ادارہ اپنی خدمات کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے تحت بیت بازی مقابلے، ادبی کوئز، ڈراما مقابلے اور مشاعرے ہر سال پابندی سے منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ اسی ادارے کے تحت فنِ شاعری اور کتابت کی کلاسز بھی جاری رہیں۔ ہر چند کہ یہ ادارہ اگلے وقتوں کے لوگوں کا قائم کردہ ہے مگر بشیر پرواز نے اسے اپنے خونِ جگر سے سینچا۔ فنِ ڈراما میں بھی اُن کی دل چسپی غیر معمولی تھی۔ درجنوں ڈرامے لکھے اور مقابلوں میں شرکت کے لیے طلبہ کو لکھ کر دیے جن پر طلبہ نے اہم انعامات حاصل کیے۔ آپ کا ایک فل لینتھ ڈراما جو مولانا آزاد پر تھا، کافی مشہور ہوا۔

بشیر پرواز کی شہرت کا ایک اور سبب اُن کی شاعری تھی۔ مجموعۂ کلام 'خیال' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ ان کی تحریر کردہ حمد یہ نظم 'عزمِ محکم عطا کر...' ڈی ایڈ کالجوں میں پڑھی جاتی ہے۔ مرحوم کے چھوٹے بھائی میر افضل بھی اچھے شاعر اور ادبی دنیا کا اہم نام ہے۔

بشیر پرواز کے پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بعد نمازِ جمعہ شہر کی علمی، ادبی، تدریسی اور سیاسی وسماجی شخصیات کی موجودگی میں انھیں جڑے صاحب بنگلہ قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

محمد حسین پرکار

سینئر معلم، ادیب، مترجم اور ہندستانی پرچار سبھا (گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر) کے سابق اُردو آفیسر محمد حسین پرکار 4 ستمبر 2026 کو انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر 87 سال تھی۔ پسماندگان میں تین بیٹیاں ہیں۔ اہلیہ دو سال قبل انتقال کر چکی ہیں۔ سنیچر کو بعد نمازِ ظہر شہر کی علمی، ادبی، تدریسی اور سیاسی وسماجی شخصیات کی موجودگی میں اُنھیں ناریل واڑی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مرحوم محمد حسین پرکار گذشتہ ایک مہینے سے کھار کے ہندوجا اسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ جمعہ اور سنیچر کی نصف شب، انھوں نے اسپتال میں آخری سانس لی۔ درس و تدریس سے دلی وابستگی کی وجہ سے دورانِ علاج نیم بے ہوشی میں انھیں یہ کہتے ہوئے سنا گیا: ''میرے اسٹوڈنٹس کہاں، میں انھیں پڑھانا چاہتا ہوں، اسپتال سے گھر جا کر میں انھیں دوبارہ پڑھانا شروع کروں گا۔'' یہ بھی اتفاق ہے کہ ان کا انتقال اُس دن ہوا جب 'یومِ اساتذہ' منایا جا رہا تھا۔

مرحوم شریف النفس، سادگی پسند اور اعلا اخلاقی اقدار کے مالک تھے۔ ان کی پیدائش سرزمینِ کوکن کے موضع بانکوٹ، ضلع رتنا گیری میں 22 جون 1939 کو ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول سے حاصل کی جب کہ ثانوی تعلیم داپولی کے نیشنل ہائی اسکول سے مکمل کی۔ میٹرک پاس کر کے ممبئی کے اسماعیل یوسف کالج سے گریجویشن کی سند حاصل کی، بعد ازیں ممبئی یونیورسٹی سے ایم اے بی ایڈ کیا۔ اس کے علاوہ انگلینڈ کی مانچسٹر یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان اڈلٹ ایجوکیشن کی سند بھی ان کے پاس تھی۔ عملی زندگی میں ممبئی کے برہانی اور مہاراشٹر کالج میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ اس دوران کویت کے ایک معروف ادارے میں ملازمت کی پیشکش قبول کی۔ دس سال بعد کویت سے ممبئی لوٹنے پر ہندستانی پرچار سبھا میں بحیثیت ریسرچ آفیسر (اُردو) مامور ہوئے۔ اس دوران بے شمار غیر اُردو داں اصحاب کو اُردو سکھانے کی ذمے داری نبھائی۔

محمد حسین پرکار نے تنقید، تحقیق، انشائیہ اور ترجمہ نگاری جیسے اہم شعبوں میں اپنی علمی صلاحیت کا لوہا منوایا۔ ہندستانی پرچار سبھا کے ماہانہ رسالے 'ہندوستانی زبان' میں ان کے لکھے ہوئے اداریے اور مضامین بہت پسند کیے جاتے تھے۔ اچھے ادب کی پہچان، اردو ادب اور گاندھیائی افکار، باقی نشاں ہمارا، پریم چند: نئی جہتیں اور 'سعادت حسن منٹو: عصر حاضر کے آئینے میں' ان کی ادبی تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے مراٹھی کی متعدد کتابوں کے اُردو میں بھی ترجمے کیے۔

محمد حسین پرکار سے اُردو سیکھنے والے گھوڑ بندر (تھانے) کے 85 سالہ باپو پٹو ردھن نے اپنے اُستاد کی رحلت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

خالد شاہین

اردو کے معروف ڈراما نگار، ہدایت کار اور اداکار خالد شاہین کا 8 ستمبر 2026 کی شام سات بجے میرا روڈ، ممبئی میں ان کی رہائش گاہ پر انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 92 برس تھی۔ خالد شاہین بی ایم سی کے شعبۂ تعلیم سے 36 برس وابستہ رہے اور 1992 میں بحیثیت صدر مدرس ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ بچوں کے ڈراموں پر خالد شاہین کا قابلِ لحاظ کام ہے۔ انھوں نے تقریباً پچاس اسٹیج ڈرامے لکھے جنھیں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ ڈراموں کے آٹھ مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ خالد شاہین روزنامہ 'ہندوستان' میں بچوں کا صفحہ 1958 تا 1978 (بیس سال تک) ترتیب دیتے رہے۔ علاوہ ازیں روزنامہ 'اردو ٹائمز'، روزنامہ 'اقبال' اور شامنامہ آج اور قیادت سے وابستگی رہی۔ خالد شاہین تدریسی فرائض اور صحافتی ذمے داری سنبھالنے کے علاوہ اکرمی پبلسٹی، آرزو پبلسٹی اور خان کارپوریشن کے لیے فلمی اشتہارات بنانے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اردو ڈراما اور تھیٹر کی پچاس سالہ خدمات کے عوض انھیں ایکجوٹ سے نادرہ ظہیر ببر، کردار آرٹ اکیڈمی سے اقبال نیازی اور روزنامہ 'اردو ٹائمز' نے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ سے نوازا۔ خالد شاہین کی اہلیہ کا چند سال قبل انتقال ہوا تھا۔ ان کے پس ماندگان میں پانچ بیٹیاں ہیں۔ تدفین میرا روڈ میں پونم ساگر روڈ پر واقع قبرستان میں جمعرات کی صبح دس بجے عمل میں آئی۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام رسالہ : **دربھنگہ ٹائمز** (خصوصی شمارہ)
مدیر : ڈاکٹر منصور خوشتر
ضخامت : 564 صفحات
قیمت : 500 روپے
ملنے کا پتا : شوکت علی ہاؤس، پرانی منصفی، لال باغ، دربھنگہ-846004
تبصرہ نگار : ڈاکٹر احسان عالم
رابطہ: Mob. No: 9234772764

اردو صحافت اور ادبی رسائل کی تاریخ میں بعض رسائل محض اپنے عہد کی ادبی سرگرمیوں کو محفوظ کرنے کا ذریعہ نہیں بنتے بلکہ رفتہ رفتہ خود ایک ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے رسائل اپنے زمانے کے ادبی رجحانات، فکری مباحث، تخلیقی رویوں، شخصیات، اداروں اور تہذیبی حافظے کو اس طرح اپنے صفحات میں سمیٹ لیتے ہیں کہ وہ محض رسالہ نہیں رہتے بلکہ اس ایک عہد کا آئینہ بن جاتے ہیں۔ 'دربھنگہ ٹائمز' اسی نوعیت کا ایک ادبی جریدہ ہے، جس نے بہار، بالخصوص دربھنگہ اور خطہ متھلا کی ادبی روایت کو محفوظ کرنے، اس کے اہلِ قلم کو متعارف کرانے اور اردو کے علمی و ادبی سرمائے کو یکجا کرنے میں قابلِ ذکر کردار ادا کیا ہے۔ اپریل تا ستمبر 2026 کا 'دربھنگہ ٹائمز' اسی مسلسل ادبی کاوش کی ایک نمایاں کڑی ہے۔ اپنے حجم، موضوعاتی تنوع اور مشمولات کی وسعت کے اعتبار سے ایک عام ادبی جریدے سے کہیں آگے دکھائی دیتا ہے۔ اس شمارے کے صفحات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر ڈاکٹر منصور خوشتر نے اسے محض رسمی طور پر مرتب نہیں کیا بلکہ کسی خاص ادبی منصوبے کے احساس کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔

کسی بھی ادبی رسالے کی شناخت صرف اس کے مضامین سے نہیں ہوتی؛ اس کی اصل شناخت اس کے مدیر کے فکری مزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ مدیر جس طرح موضوعات کا انتخاب کرتا ہے، جن شخصیات کو جگہ دیتا ہے، جن مباحث کو اہم سمجھتا ہے اور جس ترتیب سے مختلف اصناف کو پیش کرتا ہے، وہ سب مل کر رسالے کی ادبی حیثیت بناتے ہیں۔ 'دربھنگہ ٹائمز' کے موجودہ شمارے میں ڈاکٹر منصور خوشتر کی یہ خوبی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ صرف مواد جمع کرنے والے مدیر نہیں بلکہ مختلف ادبی جہتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے والے فعال ادبی کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسالے کا آغاز خود مدیر کے فکری اداریے سے ہوتا ہے۔ اداریہ کسی بھی رسالے کی سمت متعین کرنے والی تحریر ہوتی ہے۔ یہ مدیر کے ذہنی رویے، ترجیحات اور ادبی نظریے کی نمائندگی کرتی ہے۔ 'دربھنگہ ٹائمز' کا اداریہ بھی شمارے کے مجموعی مزاج کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے قاری کو اس فکری فضا کا اندازہ ہوتا ہے جس میں پورا شمارہ تشکیل پایا ہے۔ اس شمارے کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کے دو خصوصی گوشے ہیں۔ پہلا گوشہ پروفیسر جمال اویسی کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا پروفیسر ایم۔ کمال الدین کی شخصیت و علمی خدمات کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے۔

پروفیسر جمال اویسی کے گوشے میں چھ مضامین کے ساتھ یادنامہ، مکتوب، خاکہ اور ان کی نظموں اور غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس ترتیب کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ کسی ادبی شخصیت کو صرف ایک زاویے سے دیکھنے کے بجائے اس کی شخصیت، فکر، تخلیق اور ادبی تعلقات کے مختلف پہلوؤں کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کسی شخصیت پر خصوصی گوشہ مرتب کرنا دراصل اس شخصیت کے ادبی مقام کا ازسرِنو جائزہ لینے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مضمون، یادنامہ، مکتوب اور خاکہ ایک ہی شخصیت کو مختلف آئینوں میں منعکس کرتے ہیں۔ کہیں شخصیت کا علمی پہلو سامنے آتا ہے، کہیں انسانی تعلقات کا، کہیں تخلیقی مزاج کا اور کہیں عہد کے ساتھ اس کے رشتے کا۔

اسی طرح پروفیسر ایم۔ کمال الدین پر مشتمل دوسرا خصوصی گوشہ بھی شمارے کی علمی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس میں شامل پانچ مضامین ان کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔ یوں دونوں خصوصی گوشے مل کر اس شمارے کو شخصیات کے مطالعے کا ایک اہم ماخذ بنا دیتے ہیں۔ 'دربھنگہ ٹائمز' کے اس شمارے میں فکشن کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں جدید اور کلاسیکی کہانیوں کے صرف ظاہری قصے بیان نہیں کیے گئے بلکہ ان کے نفسیاتی، سماجی اور اجتماعی پہلوؤں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

پروفیسر آفتاب احمد آفاقی، ڈاکٹر اشرف النبی قیصر، شبنم سحر، پروفیسر ہما مسعود، سلمان عبدالصمد، امتیاز سرمد اور زینت پروین کے مضامین فکشن کے حوالے سے شمارے کے تحقیقی اور تنقیدی دائرے کو وسیع کرتے ہیں۔ فکشن پر یہ مضامین اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آج کہانی کو محض تفریح یا واقعات کے بیان تک محدود نہیں سمجھا جا سکتا۔ جدید فکشن انسانی نفسیات، سماجی تضادات، طبقاتی صورتِ حال، تہذیبی تبدیلیوں اور فرد کے داخلی بحرانوں کو سمجھنے کا ایک اہم وسیلہ بھی ہے۔ شمارے کے مضامین کے حصے میں موضوعات کی جو وسعت نظر آتی ہے، وہ اس کے مدیر کے انتخابِ موضوع کی بصیرت کو ظاہر کرتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی، پرسیفی سرونجی، کرشن چندر کی انفرادیت، پر اقبال مسعود، شاد عظیم آبادی، آفاق عالم صدیقی، ڈاکٹر مظفر مہدی کی تنقید پر ڈاکٹر سید احمد قادری، حقانی القاسمی، پرانور آفاقی،، کوثر مظہری، پرغزالہ ہاشمی اور، حسرت موہانی کی صحافت پر ڈاکٹر نکہت پروین کی تحریریں شمارے کے علمی دائرے کو وسیع کر دیتی ہیں۔

خاص طور پر حسرت موہانی کی صحافت پر مضمون اس امر کی یاد دہانی ہے کہ اردو کی بڑی ادبی شخصیات کو صرف ان کی شاعری کی بنیاد پر سمجھنا کافی نہیں۔ ان کی صحافت، سیاسی فکر، سماجی شعور اور عہد کے حالات سے ان کے تعلق کا مطالعہ بھی ان کی شخصیت کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

شمارے میں شعری مطالعے کے تحت احمد فراز، جون ایلیا، میر تقی میر، بشیر بدر، عطا عابدی، بدیع الزماں سحر، غضنفر اور صادقہ نواب سحر کے شعری جہان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ انتخاب بھی خاص توجہ کا طالب ہے۔ میر تقی میر سے لے کر جون ایلیا اور احمد فراز تک اور بشیر بدر سے صادقہ نواب سحر تک اردو شاعری کی کئی نسلیں اور کئی شعری لہجے یہاں یکجا ہو جاتے ہیں۔

'کتھا کہانی' کے حصے میں افسانہ نگاری کی روایت کو بھرپور جگہ دی گئی ہے۔ طارق چھتاری کا 'غم سے نجات پائے کیوں'، اسلم جمشید پوری کا 'طلوع ہوتا آفتاب'، شاہد اختر کا 'سیاہ بل'، رحمان شاہی کا 'وادی' اور راجہ یوسف کا 'تفسیخ' اس حصے کو متنوع بناتے ہیں۔

شمارے کی ایک دل چسپ جہت ڈاکٹر منصور خوشتر کا سفرنامہ 'تھائی لینڈ کی سرزمین پر بہار کا قافلہ' ہے۔ سفرنامہ محض مقامات کی فہرست یا راستوں کی روداد نہیں ہوتا بلکہ اس مقام کی تاریخ اور واقعات سامنے لاتا ہے۔

اس شمارے میں 'پیارا بچپن' کے عنوان سے بچوں کے ادب کے لیے خصوصی جگہ مختص کی گئی ہے۔ اس گوشے میں ممتاز بچوں کی ادیبہ بانو سرتاج کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے، ساتھ ہی بچوں کے لیے کہانیاں اور دلچسپ مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔ یہ حصہ رسالے کے ادبی دائرے کو مزید وسیع کرتا ہے۔ کسی ادبی رسالے پر ہونے والے تبصرے دراصل اس رسالے کے اثرات اور ادبی قبولیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف کتابوں پر تبصرے بھی شامل کیے گئے ہیں، جن میں رحمان شاہی کی 'آدمی کدھر جائے'، اختر واصف کی 'سمندر پر ایک اڑان' اور خلیق الزماں نصرت کی 'استفادہ، سرقہ اور توارد' قابل ذکر ہیں۔ کتابوں پر تبصرہ ادبی صحافت کا ایک بنیادی فریضہ ہے۔ اس کے ذریعے نئی کتاب قاری تک پہنچتی ہے۔

'دربھنگہ ٹائمز' اپریل تا ستمبر 2026 کا شمارہ اپنی وسعت، تنوع اور موضوعاتی گہرائی کے اعتبار سے اردو کے موجودہ ادبی رسائل میں خاص توجہ کا مستحق ہے۔ پروفیسر جمال اویسی اور پروفیسر ایم۔ کمال الدین کے خصوصی گوشے اس کی علمی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں، جب کہ فکشن، تحقیق، تنقید، شاعری، ترجمہ، سفرنامہ اور اطفال ادب کے حصے اسے ہمہ جہت ادبی جریدہ بناتے ہیں۔ ◆◆

مستقبل کا ہندستان اور سرسیّد احمد خاں

(بقیہ صفحہ 1 سے آگے)

منفی اثرات نہ مرتب ہوں لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ قوم کے لیے انگریزی تعلیم ناگزیر ہے۔ اِس کے بغیر ملک کے نظم ونسق میں مسلمانوں کے داخلے کی کوئی صورت ممکن نہیں اور اِسے نظرانداز کرنا خودکشی کے مترادف ہے، اِسی بنیادی ضرورت نے اُنھیں حقیقی اسلام کی تشریح و وضاحت پر مجبور کیا جسے اُس کے صحیح پس منظر میں جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

اِسی طرح سرسید کی کانگریس مخالفت بھی کسی وقتی ردّعمل، جذباتی اُبال یا مخالفت برائے مخالفت کا نتیجہ نہیں تھی، اُن کی دوررس نگاہیں ڈیڑھ صدی پہلے وہ دیکھ رہی تھیں، جو آج کے ہندستانی مسلمانوں کے تجربے کا حصّہ ہے۔ کانگریس کا قیام خواہ سرہیوم کے اشارے پر ہوا ہو، لیکن اِسے مستحکم کرنے اور مقبول بنانے میں تعلیم یافتہ بنگالی پیش پیش تھے۔ وہ کہتے تو یہ تھے کانگریس مساوی انتخابی طریقِ کار اپنا کر ایک جمہوری پارلیمانی نظام قائم کرے گی، لیکن اِس پر روزِ اوّل سے پڑھے لکھے بااثر ہندوؤں کا دبدبہ قائم تھا، جب کہ علمائے کرام جنھوں نے ملک کو آزاد کرانے اور کانگریس کو مسلمانوں میں قبولیت دلانے میں جی جان کی بازی لگادی، اُن کا حصّہ آٹے میں نمک سے زیادہ نہ تھا۔ جب تک پرانی نسل کے لوگ زندہ رہے، اُس وقت تک اقتدار میں تھوڑا بہت حصّہ مسلمانوں کو ملتا رہا، لیکن اِس کے بعد کانگریس کی قیادت وسیاست سے مسلمانوں کو باہر کرنے کا عمل تیز ہوگیا۔

سرسیّد کی آنکھیں بند ہونے کے بعد کی سوا صدی پر محیط ہندستانی سیاست کے نتائج وعواقب پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کانگریس کی مخالفت میں سرسیّد کی آنکھیں مستقبل کے ہندستان میں مسلمانوں کی بقا، اُن کی تعلیمی، سماجی اور معاشی وسیاسی مسائل یہاں تک کہ بابری مسجد سانحے کے خدوخال تک دیکھ پرکھ رہی تھیں لہٰذا سرسیّد کی کانگریس مخالفت کا اُس کے صحیح پس منظر میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ سرسیّد اگر غلط ہوتے تو کانگریس کے دورِ اقتدار میں ہندستانی مسلمانوں کی وہ زبوں حالی نظر نہیں آتی جو آج ناقابلِ تردید حقیقت بن گئی ہے۔

(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سوسال مکمل ہونے پر مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن سوسائٹی کے سمینار منعقدہ 9 جنوری 2020 کو پیش کیا گیا تھا)

20-گھاٹی بھٹر بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

علی احمد فاطمی کی 'اکبرشناسی'

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

اپنی انگریزی ملازمت کی تاویل میں:

ہے نورِ خدا بھی طالبِ رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

ان کی انگریز پرستی کے اعتراف میں سیکڑوں اشعار ہیں؛ مثلاً:

رہنا کسی سے دب کر ؛ ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا
کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
گر ترک ہو تو پھر کیا؛ انگریز ہو تو پھر کیا
آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغِ تیز سے ڈرتے رہو

ع 'مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا'

کی مدح گستری کرتے ہوئے فاضل نقّاد نے یہ کیوں فراموش کر دیا کہ اکبر کی سوانحِ عمری کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے؛ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی اور وہ اغلباً 1904 کے آغاز میں وظیفۂ حسنِ خدمت پر سبک دوش ہوئے تھے۔[3]

وہ ہندستانیوں کو:

بدن میں روح آجاتی ہے جب بے گوری رنگت سے
تو بے انگلش پڑھے روزی بھی مل سکتی ہے نیٹو کو

کہہ کر بہلاتے رہے؛ لیکن انھوں نے خواہی نخواہی اپنے پسر عشرت حسین کو نہ صرف انگریزی پڑھائی؛ بلکہ اسے اعلا تعلیم کے لیے انگلستان بھی بھیجا۔ دوسرے بیٹے ہاشم نے بھی انگریزی پڑھی تھی اور پسر عشرت عقیل کو بھی اکبر خود ہی انگریزی اسکول لے جایا کرتے تھے۔ اپنی نظم ونثر میں انگریزی تعلیم وتہذیب کی مخالفت کے مبلغ کے طور پر نمایاں اکبر کے دوہرے کردار کی بیّن مثال یہ ہے کہ وہ عشرت کو لکھے اپنے رقعات میں ان کی انگریزی کی نوشت وخواند کی پختگی اور ان کی انگریزی مقتدرہ سے میل جول کی کوششوں پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے؛ انھیں مغربی موسیقی سے آگاہی حاصل کرنے کی صلاح دیتے اور شہر میں کسی حاکمِ اعلا کی آمد کی خبر پاکر وہاں حاضری دینے اور حکّام کی طرف سے کسی تقریب میں مدعو کیے جانے پر موسم کے بہترین پھلوں کا تحفہ لے جانے کی ہدایت کرتے نظر آتے ہیں۔[4] (باقی آئندہ)

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

بارے میں تحسین فراقی کے اختلافات کو بھی شامل کیا۔ تحسین فراقی نے رشید صاحب کی کتاب اور ان کی سفارشات کے بارے میں، املا کے موضوع پر منعقدہ سمینار میں اس بات پر اعتراض کیا تھا کہ رشید صاحب نے املا کی سفارشات میں فارسی زبان کے اصول وقواعد کو مقدم رکھا جب کہ عربی کے قواعد وضابطوں کو نظر انداز کیا۔ تحسین فراقی کی بات سے ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ فراقی صاحب کی یہ بات بالکل درست ہے۔ عربی سے دامن چھڑانے کا یہ رویہ قابلِ قبول ہوتا اگر رشید صاحب فارسی کے ساتھ بھی یہی رویہ رکھتے اور فرماتے کہ اُردو ایک الگ، آزاد اور خود مختار زبان ہے۔ اس کے اپنے اصول ہیں اور یہ نہ تو مکمل طور پر عربی کی پابند ہے اور نہ مکمل طور پر فارسی کی۔[81] اختلافات کے باوجود ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے اپنے معروضات میں اس بات کا صدق دل سے اعتراف کیا کہ اگر رشید صاحب جیسے بزرگ املا کی اصلاح کے لیے کام نہیں کرتے تو ہمارے لیے اس ضمن میں کام کرنا آسان نہیں تھا۔ موصوف کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں انھوں نے رشید صاحب کی املا کے متعلق انجام دی گئی خدمات کا اعتراف کیا:

''بے شک رشید صاحب نے اُردو املا کی صحت اور درستی کے لیے جو کام کیا وہ اُردو املا کی اصلاح کی ماضی میں کی گئی کوششوں کے مقابلے میں نمایاں ترین اور جامع ترین تھا اور املا سے متعلقہ مباحث پر رشید صاحب کی محنت اور دل سوزی سے کوئی بے علم یا بد ذوق ہی انکار کرسکتا ہے۔ انھوں نے اُردو املا کے کئی مسئلے سلجھائے اور ہم جیسے طالب علموں نے ان سے املا کے مباحث و مسائل پر بہت کچھ سیکھا۔ البتہ اُردو املا کے ضمن میں وہ چند مقامات پر افراط و تفریط کا شکار ہوگئے اور جس کی وجہ سے اُردو املا کے بعض مسئلے اُلجھ بھی گئے، اسی لیے ان کے بعض خیالات سے اختلاف کیا گیا جو ضروری بھی تھا۔''[82]

بہر کیف! رشید حسن خاں کے لغات، قواعد وزبان، املا وغیرہ پر لکھے مضامین کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے ابتدا سے ہی ادب میں دل چسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے مضامین پر گہری نظر رکھتے ہوئے تجزیاتی مکتوبات تحریر کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اندر ایک تحقیقی وتنقیدی شعور کارچا ہوا ذوق ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے ادبا وشعرا کے مضامین پر قلم اٹھا کر ادب کے وقار ومعیار میں اضافہ کیا۔ انھوں نے اپنے خطوط وانٹرویوز میں بارہا اس بات پر زور دیا کہ میں شخصیت پر نہیں شخصیت نے جو لکھا ہے اس پر بات کرنا پسند کرتا ہوں۔ انھوں نے اپنے قول کی ہمیشہ پاس داری کی۔ ان کے مضامین ان کی بات کی صداقت کے امین ہیں۔ انھوں نے اپنی برسوں کی محنت و تحقیق سے تیار ہوئے متن انتخابِ ناسخ، انتخابِ سودا، فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی گلزارِ نسیم، مثنوی سحر البیان، مثنویاتِ شوق، زٹل نامہ وغیرہ میں بھی تلفظ واملا، الفاظ وطریق، عام الفاظ، عربی الفاظ، فارسی الفاظ وفقرے پر خاص توجہ دی۔

رشید حسن خاں کے تحقیقی وتنقیدی ذوق کو بامِ عروج عطا کرنے میں شاہ جہاں پور کا ادبی ماحول، مدرسہ بحر العلوم کی تعلیم وتربیت، استاد مجتبیٰ حسین کی نصیحتیں اور اختر تلہری کی صحبتوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ دہلی یونی ورسٹی میں ملازمت کے دوران ان کے ادبی ذوق کو مزید تقویت ملی۔ ان کے مضامین جو لغت وقواعد واملا کے حوالے سے شائع ہوئے، نے ان کی شہرت میں چار چاند لگائے۔ رشید صاحب کی تحریروں سے اختلاف کے باوجود قارئین ان کی ذہانت، متانت اور سنجیدگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ملک کے مختلف اداروں اور مصنفین نے ان کے املا کی سفارشات کو قبول کیا۔

•••

اس تحریر میں راقم الحروف نے رشید حسن خاں جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کے اُن مضامین کو سامنے لانے کی مقدور بھر سعی کی ہے جن میں لغت، قواعد، املا کے مسائل پر تنقیدی گفتگو کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض مضامین رشید صاحب کی کتابوں میں موجود ہیں اور بعض رسائل وجرائد کی فائلوں کی زینت بنے۔ راقم اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا یہ فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ہاں! آخر میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ لُغت، املا وقواعد جیسے خشک موضوع پر کام کرنا ایک مشکل امر ہے لیکن رشید صاحب نے اپنے اسلوبِ تحریر اور محنتِ شاقہ سے اس موضوع کو بھی سہل بنا دیا ہے۔

حواشی:

۷۶ رسالہ پیامِ تعلیم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، مئی 1972، ص6۔
۷۷ ایضاً، ص8۔
۷۸ رشید حسن خاں کے خطوط، جلد سوم، نومبر 2019، ص312۔
۷۹ بچوں کا ماہ نامہ اُمنگ، شمارہ 9، جلد4، اُردو اکادمی، دہلی، اگست 1991، ص48۔
۸۰ بچوں کا ماہ نامہ اُمنگ، شمارہ 7، جلد4، اُردو اکادمی، دہلی، جون 1991، ص5۔
۸۱ صحتِ زباں، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2026، ص19
۸۲ ایضاً، ص20

وارڈ نمبر 1، مہپا چوراہا، نگر پنچایت، سیوال خاص، ضلع میرٹھ-250501
Mob. 9897012528
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

ٹی یوڈبلیو جے ایف کی جانب سے
اردو صحافیوں کو ایوارڈز

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

ایوارڈ یافتگان کے انتخاب کے لیے باقاعدہ ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو مکمل شفافیت کے ساتھ صحافیوں کی خدمات کا جائزہ لے کر ان کا انتخاب کرتی ہے۔ انھوں نے پریس اکیڈمی کے ذمے داران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ پریس اکیڈمی نے روزنامہ 'سیاست' کے بانی اڈیٹر مرحوم جناب عابد علی خاں اور سینئر صحافی مرحوم جناب نسیم عارفی کے نام سے مونوگراف شائع کرکے ان کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ جلسے کی کارروائی محترمہ ساجدہ بیگم عرف ثنا نے نہایت عمدگی کے ساتھ چلائی۔ فیڈریشن کے جنرل سکریٹری جناب سیّد غوث محی الدین، جناب ایم کے فیصل، جناب شیخ شکیل فرہاد، جناب محمد عبدالحسن، جناب سیّد واجد حسینی، جناب لئیق الدین اور دیگر ذمے داران نے پروگرام کے انتظامات میں بھرپور حصہ لیا۔ پروگرام کا آغاز جناب محمد امجد علی کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا جب کہ جناب شیخ رفیع الدین آصف نے حمد ونعت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حکومتِ تلنگانہ کے مشیر اور سینئر کانگریسی قائد جناب محمد علی شبیر نے اپنے خطاب میں کہا کہ انھیں صرف 31 سال کی عمر میں وزیر بننے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ آزادی سے قبل حیدرآباد دکن کی بین الاقوامی شہرت یافتہ عثمانیہ یونیورسٹی سے سابق وزیرِ اعلا چناریڈی سمیت متعدد ممتاز شخصیات کے ساتھ ساتھ شہر کے مختلف اردو اخبارات کے صحافی، الیکٹرانک میڈیا کے نمائندے اور مختلف اضلاع سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کی بڑی تعداد نے فنکشن میں خصوصی طور پر شرکت کی۔ پروگرام کا اختتام جناب عبدالمقدر شرفی کی دعا پر عمل میں آیا۔ (روزنامہ 'عصرِ حاضر'۔ حیدرآباد)

مکتوبِ عبدالرزاق قریشی مرحوم

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

نامور محقق و مصنف عبدالرزاق قریشی (1912-1977) سابق رفیق مرحوم انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی و سابق مدیر سہ ماہی مجلّہ 'نوائے ادب' ممبئی ایک اہم مکتوب نگار بھی تھے۔ ان کے 21 مکتوب کتب و رسائل اور انجمن ترقی اردو کے ذخیرۂ مکاتیب سے دستیاب ہوئے۔ ان میں 15 مکتوبات جو ڈاکٹر خلیق انجم (1933-2016) کے نام ہیں، غیر مطبوعہ تھے۔ ناچیز نے انھیں اپنی کتاب 'عبدالرزاق قریشی: احوال و آثار' میں شائع کر دیا ہے۔ اب ان کا ایک اور نادر مکتوب جو سیّد الطاف علی بریلوی (1905-1986) سابق مدیر ماہنامہ 'العلم' کراچی[1] کے نام ہے، حال ہی میں 'العلم' سے ملا ہے۔ مکتوب نہایت معلوماتی اور درج ذیل ہے:

''الطاف نامہ خوشی اور شکریہ کا باعث ہوا۔ خطوط اختر بھی ملے۔ یہ خطوط تو میں 'العلم'[2] میں دیکھ چکا تھا۔ 'العلم' ان رسالوں میں ہے جنھیں میں باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔ یاد پڑتا ہے کہ آپ نے 'العلم' ہی میں اعلان کیا تھا کہ قاضی اختر صاحب مرحوم[3] کے خطوط جو انھوں نے مختلف اربابِ علم و دانش کے نام لکھے تھے، جمع و مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے ہیں، میں نے حقیقت میں آپ سے اسی مکمل مجموعے کے متعلق پوچھا تھا۔ اگر یہ کام ہو جاتا تو ادب کی ایک اہم اور مفید خدمت ہوتی اور میرا خیال ہے کہ آپ اس کام کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ قاضی صاحب نے مرحوم سیّد سلیمان ندوی، اقبال، ممتاز حسن صاحب، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر محمد شفیع، ڈاکٹر اقبال (پروفیسر) ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ جیسے اربابِ علم کو خطوط لکھے ہوں گے، ظاہر ہے کہ وہ تمام خطوط تو نہیں مل سکتے، پھر بھی ان کی ایک بڑی تعداد دستیاب ہو سکتی ہے۔ اگر آپ اس طرف توجہ فرمائیں تو بڑا اچھا ہو۔ سیّد صاحب مرحوم کے نام والے خطوط امید ہے کہ دارالمصنّفین میں محفوظ ہوں گے۔

اپنے مقالات کا ایک مجموعہ خود قاضی صاحب مرحوم نے ترتیب دیا تھا اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مجموعہ معارف پریس[4] میں چھپے اور مولانا سیّد سلیمان ندوی اس پر مقدمہ لکھیں۔ افسوس کہ مقالہ نویس اور مقدمہ نگار دونوں اب اس دنیا میں نہ رہے۔ ان مقالات کو شائع کرانا یا دوسرے لفظوں میں محفوظ رکھنا ان کے سوگواروں کا فرض ہے۔ قاضی صاحب مرحوم کے مقالات کتنے وقیع ہوتے تھے اور ان کی تحقیق کا معیار کتنا بلند تھا اس سے اہلِ علم واقف ہیں۔ کاش یہ کام بھی آپ ہی کے ہاتھوں انجام پا جاتا۔ میں اپنے مقدور بھر آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ انسٹی ٹیوٹ کی نئی خریدی ہوئی کتابوں میں قاضی صاحب مرحوم کا ایک پرانا رسالہ (جو حقیقت میں ایک مقالہ ہے) 'حیاتِ نظامی'[5] نظر سے گزرا۔ اسی طرح مرحوم کے بہت سے مضامین معارف کی پرانی جلدوں سے ڈھونڈ کر نکالے جا سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر تمام مضامین مل جائیں تو شاید دو تین جلدوں میں سما سکیں گے۔ اس طرح تحقیقی، علمی، ادبی وغیرہ مختلف عنوانات کے تحت مقالات شائع کیے جا سکتے ہیں۔ کہیے آپ کی کیا رائے ہے۔؟

پروفیسر سیّد نجیب اشرف صاحب ندوی[6] سے آپ مقالہ لکھنے کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ تو 'نوائے ادب'[7] کے لیے بھی بڑی مشکل سے لکھ پاتے ہیں۔ مولوی فضل اللہ فاروقی[8] اب یہاں نہیں رہتے''۔

عبدالرزاق قریشی

(العلم کراچی، جنوری تا مارچ 1958، ص: 27-126)

تعلیقات و حواشی

۱ سیّد الطاف علی بریلوی (1905-1986) مدیر ماہنامہ 'العلم' بڑے فعال اور صاحبِ علم و فضل تھے۔ سرسیّد احمد خاں (1817-1898) کی قائم کردہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پاکستان میں شاخ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی اور تعلیم کے حوالے سے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ دراصل وہ ایک بڑے ماہرِ تعلیم تھے۔ کراچی میں انھوں نے سرسیّد گورنمنٹ گرلز کالج قائم کیا۔ ان کے قلم سے درج ذیل کتابیں نکل کر مقبول ہوئیں:
تخلیقات و نگارشات، چند محسن ادیب، راہی اور راہ نما، تعلیم و تعلم، علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں، تعلیمی مسائل: پس منظر و پیش منظر، نامہ ہائے صدق و صفا، حاصل مطالعہ، مقالات بریلوی، طالب علم کی ڈائری، حیاتِ حافظ رحمت خاں، مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد، مسلمان کی دنیا۔ ان کی سوانح اور خدمات پر 'سیّد الطاف علی بریلوی کی تعلیمی، علمی اور سیاسی خدمات' کے نام سے ڈاکٹر کہکشاں ناز نے ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ بریلوی صاحب نے 24 ستمبر 1986 کو کراچی میں انتقال کیا۔ سخی حسن قبرستان میں مدفون ہیں۔

۲ ماہنامہ العلم کراچی: اسے سیّد الطاف علی بریلوی نے جاری کیا اور تاحیات اسے مرتب کرتے رہے اور اس کے ذریعے علم و ادب کی بڑی خدمت انجام دی۔

۳ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (1897-1956) اردو کے نامور ادیب و شاعر، سوانح نگار، محقق و مصنف اور ماہرِ اقبالیات تھے۔ جوناگڑھ ہندستان میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد کراچی جا بسے۔ 6 اگست 1956 کو کراچی میں انتقال کیا۔ 1927 سے 1935 تک مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کاٹھیاوار کے بانی چیئرمین اور جمعیت المسلمین کاٹھیاوار کے صدر رہے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آخر میں انجمن ترقی اردو پاکستان کے نائب معتمد اعزازی منتخب ہوئے۔ انجمن کے سہ ماہی جریدے 'اردو' کی ادارت بھی کی۔ ان کے قلم سے متعدد کتابیں اور تراجم شائع ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:
طبقات الامم، اہلِ دہلی (سرسیّد)، مقالات اختر، سیپارۂ دل، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، سرسیّد کا علمی سرمایہ، حیات نظامی، زرگل، لمعات اختر، علم اور انسان، اسلامی کتب خانے، اسلام کا اثر یورپ پر۔

۴ معارف پریس: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کا پریس جس کی خریداری کے اخراجات بیگم سلطان جہاں آف بھوپال کے بڑے صاحبزادے نے ادا کیے تھے۔ یہ پریس آج بھی قائم ہے۔

۵ 'حیاتِ نظامی': قاضی اختر جوناگڑھی کا ایک مبسوط مقالہ جو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

۶ پروفیسر سیّد نجیب اشرف ندوی: تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی تصنیف 'سیّد نجیب اشرف ندوی: احوال و آثار'، مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2026۔

۷ سہ ماہی نوائے ادب ممبئی: انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی کا سہ ماہی ترجمان جو برسوں پروفیسر سیّد نجیب اشرف ندوی (1900-1968) کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ان کے بعد عبدالرزق قریشی مرحوم مدیر بنائے گئے۔ 2019 میں کورونا کے زمانے میں اس کی اشاعت بند ہو گئی۔

۸ مولوی فضل اللہ فاروقی، ندوی (1911-1990) بن مولوی محمد فاروق جون پور کے رہنے والے تھے۔ 16 فروری 1911 کو جون پور میں پیدا ہوئے۔ 23 اکتوبر 1990 کو کراچی میں انتقال کیا۔ اپنے عہد کے ممتاز محقق و مصنف اور ادیب تھے۔ آخر میں پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی سے ان کی مرتب کردہ 'توضیحی فہرست مخطوطات' کتب خانہ ہمدرد، جلد اول 1981 میں شائع ہوئی ہے۔

رفیقِ اعزازی، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
E-mail: azmi408@gmail.com

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***